عراقی اور اقبال

پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی ہمدانی (م ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء) (۱) حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی کے مرید، خلیفہ اور داماد تھے۔ اس کے علاوہ تصوف کی تعلیم میں شیخ صدر الدین محمد بن اسحاق قونوی شارح ابن عربی کے شاگرد رشید بھی تھے۔ نیز آپ ان مشائخ صوفیاء، عرفا عظام اور شعراء کرام کے اس طبقے سے بھی متعلق ہیں جن سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے اپنے آثار و اشعار میں انھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اعجاز الحق قدوسی نے اپنی تالیف ''اقبال کے محبوب صوفیہ'' میں اکتیس شخصیات نامدار کا تذکرہ کیا ہے جن میں شیخ ابو سعید ابو الخیر، حکیم سنائی غزنوی۔ خواجہ عطار نیشاپوری، مولانا روم، شیخ محمود شبستری، بوعلی قلندر۔ پانی پتی۔ امیر خسرو دہلوی اور مولانا جامی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چونکہ علامہ اقبال بھی اپنے مخصوص افکار و نظریات کے اظہار کے لئے شعر ہی کو ذریعہ بنایا۔ اور آپکا بیشتر کلام فارسی زبان میں ہے۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ اس ضمن میں فارسی شعر کے حوالے سے بات کی جائے۔

ہم حضرت عراقی اور علامہ اقبال کے فکری رابطے کو تین پہلوؤں سے زیر بحث لائیں گے۔

۱۔ شیخ عراقی کا اشعار کا عکس علامہ اقبال کے کلام میں۔

۲۔ حضرت عراقی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے عرفانی مکتب کے نمائندہ تھے۔ اس لحاظ سے علامہ اقبال کہاں تک ان سے متاثر ہوئے۔

۳۔ علامہ اقبال نے زمان و مکان کی بحث ۔۔درست یا نادرست ۔۔عراقی کا نام استعمال کیا ہے ۔اس حوالے سے ایک جائزہ

کلام اقبال کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اگرچہ شعرائے سبک ہندی مثلاعرفی ،فیضی ،ظہوری ،ابو طالب کلیم ،غنی ،صائب اور غالب وغیرہ کے دیوان بغور پڑھے اور ایک مدت تک انکے اشعار کو اپنے لئے دلیل راہ بنایا ۔لیکن جلد ہی اقبال انکے اسلوب شعر سے دل برداشتہ ہوکر سبک خراسانی ،اور بالخصوص سبک عراقی کیطرف راغب ہوگئے ۔اس طرح آپ نے سرزمین ہند میں فارسی شعر کو سبک ہندی کی محدود فضا سے ۔۔جو گیارہویں ،بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں بعض خیال بافوں کے توسط سے ایک لاتحل مسئلے کی صورت اختیار کر گیا تھا ۔۔نجات دلای ۔اقبال کا نقطہ نظر یہ تھا کہ سبک ہندی میں سستی ،کاہلی اور باریک بنی و پیچیدگی کارفرما ہے لہذا آپ نے ایران کے مذکورہ بالا بزرگ متصوفین کے سبک ''سمبولیسیم'' کو اپنا لیا اور فارسی غزلیات و منظومات کی بدولت ابتکاری نوعیت کے کام سرانجام دیئے ۔(۲)

استاد سعید نفیسی نے اس حقیقت کی تائید میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے ۔

''محمد اقبال از آن کسنی بود کہ سی بایست دفتر پشینیان را در نوردد۔ سبک معروف۔ اسپر سیو نیسم ۔ شعر فارسی را کہ در بند کم کم فرسودہ و مدروس شدہ بود بہ روش روشن تر و شیوا تر یعنی ''سمبولیسم'' مشایخ بزرگ تصوف ،ایران مانند سنائی و فریدالدین عطار و فخر الدین عراقی و جلال الدین بلخی محمود شبستری باز گرداند۔ قرنہا بود کہ دشواری فوق العادہ اب روش ہمہ را از آن دور کردہ بود و احیانا ترسانیدہ بود و کسی جرات نکی کرد کہ

دوش بدوش و سر بسر حدیقتہ الحقیقہ و مثنویات عطار و مثنوی مولانا و گلشن راس بگزارد۔ ابن بابغہ پاکستانی ابن دلاوری را کرد واز عہدہ ہم برآمد۔ گویا سی گفت۔ میگو ہم وہی آپیش از عہدہ برون! اینک آثار اوچون برہانی قاطع و قاطع برہن درپیش ماست۔ سی پیرو ہمان روش مالوف وپسندیدہ ابن مشائخ تصوف ایران در زبان فارسی بودہ است۔ منتہی تصوجی کہ کاملا با معارف جدید و فلسفہ ہا و حکمتہای نوین از شرق و غرب آمیختہ شدہ و صبغئہ شدہ و وہ صبغئہ قرن نوزدہم و بیستم میلادی را بخود گرفتہ است۔ (۳)

ترجمہ: محمد اقبال ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قدما کے دفتر کو لپیٹ دیا۔ ان کی آرزو تھی کہ وہ فارسی شعر کے معروف اسلوب امپر سیونیسم کو جو سر زمین پاکستان و ہند میں آہستہ آہستہ فرسودہ اور کہنہ ہو گیا تھا۔ سبک سمبولیسم مشائخ صوفیہ ایران مثلاً حکیم سنائی، فرید الدین عطار، فخر الدین عراقی، جلال الدین رومی اور محمود شبستری کی روشن تر اور فصیح تر روش میں تبدیل کردیں۔ کئی صدیاں گزر گئی تھیں۔ کہ اس اسلوب کی غیر معمولی دشواری نے سب کو اس سے دور اور قدرے خوفزدہ کر دیا تھا اور کوئی شخص یہ جسارت نہیں کرتا تھا کہ وہ حدیقہ سنائی، مثنویات عطار، مثنوی مولوی اور گلشن راز شبستری کی ہمسری کرے۔ اس نابالغ روزگار شخصیت نے یہ دلیری کی۔ اور اس سے عہدہ برآ بھی ہوئی۔ گویا۔ اقبال کہتے تھے: ''می گویم و سی آیمش از عہدہ بروق''

چنانچہ اب آپکی شعری تخلیقات تخلیقات بطور برہان قاطع اور دلیل محکم ہمارے سامنے موجود ہیں۔ آپ نے فارسی زبان میں ایران کے صوفی شعراء کی مرغوب اور

پسندیدہ روش کی پیروی کی ہے۔ البتہ آپ نے اس تصوف کو مشرق و مغرب میں مروجہ جدید فلسفیانہ اور حکیمانہ معارف سے مکمل طور پر ہم آہنگ کر دیا۔ اور انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کو بقول ملک الشعرائی بہار ''عصر حاضر خاصہ اقبال'' بنا دیا ہے۔

علامہ اقبال ان نامبردہ مشائخ ایران اور صوفی شعراء میں سے مولانا روم سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ اقبال نے اپنے متعدد اشعار میں مولانا روم کی مریدی کا دعویٰ کیا ہے۔ اپنے آپ کو مولوی کا دلدادہ اور شیفتہ ظاہر کیا ہے اور راہ تصوف و معرفت میں اپنی تمام تر ترقی اور پیشرفت کو مولوی رومی کی ہدایت و ارشاد باطنی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ شیخ عراقی بھی مولوی کے ہم نشینوں میں سے تھے۔ قونیہ میں قیام کے دوران دونوں بزرگوار اکٹھے مجالس و محافل سماع میں شریک ہوتے تھے۔ افلاکی کی کتاب ''مناقب العارفین'' میں مولوی بلخی اور عراقی ہمدانی کے روابط پر مشتمل تین حکایات درج ہیں۔ (۴) مثلاً ایک جگہ منقول ہے۔

''پیوستہ شیخ فخر الدین در سماع مدرسہ حاضر سدی وو ایما''
از عظمت مولانا باز گفتی و آہ ہا زدی و گفتی کہ او در راج کسی کما
ینبغی ادارک نکرد، در ین عالم غریب، مد و غریب رفت۔ (۵)

ظاہری ملاقات کے علاوہ آپ کے شور و شوق اور معنوی ربط و تعلق کو بھی پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ ذیل میں ہر دو شیوخ کی ایک ایک ہم وزن غزل کا مطلع نمونہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور لطف یہ کہ علامہ اقبال نے بھی ان کے استقبال میں ایک معرکہ آرا غزل کہی ہے:

مولوی۔ بنمای رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست
بگشای لب کہ قند فراوانم آرزوست (۶)

عراقی۔ یک لحظہ دیدن رخ جانانم آرزوست

یک دم وصال آن مہ خوبانم آرزوست (۷)

اقبال۔ تیروسنان وخنجر وشمشیرم آرزوست

بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزوست (۸)

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں

''حضرت عراقی کی شاعرانہ عظمت ہر دور میں مسلم رہی ہے۔ انہوں نے فارسی شاعری میں تصوف کی روایات کو نکھارا اور سنوارا، اور تصوف کے مضامین کو اپنے اشعار میں اس دلکشی سے سمویا ہے کہ آج بھی اہل نظر ان کے کلام کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں۔ (۹)

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ کی روایت کے مطابق۔ اقبال عراقی سے بھی متاثر ہوا ہے۔

اپنے اشعار میں اس کا نام لیتا ہے۔ اور اس کے بعض اشعار کو تضمین کرتا ہے۔ عراقی کی اس مشہور عارفانہ غزل کی پیروی میں ع

نخستین بادہ کاندر جام کردند

ز چشم مست ساقی وام کردند (۱۰)

اقبال نے یہ غزل کہ ہے جو قطعی طور پر فلسفیانہ رنگ لئے ہوئے ہے۔

فنا را بادہ ہر جام کردند

چہ بیدر دانہ او را عام کردند

حضرت عراقی کی اسی الہامی غزل کے پہلے مصرع کو علامہ اقبال نے اپنی ایک دلکش ''رباعی'' میں یوں تضمین کیا ہے۔

گناہ عشق و مستی عام کردند

دلیل پختگان را خام کردند

با هنگ حجازی می سر ایم
نخستین بادہ کاندر جام کردند

اور اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع کو ''پیام مشرق'' کی ایک ''رباعی'' میں اقبال نے اس طرح استعمال کیا ہے۔

بخود باز آور رند کہن را
می با نا کہ من در جام کر دم

من این امی چون مغان دور پیشن
ز چشم مست ساقی وام کر دم

علامہ اقبال اپنے کلام میں ایک جگہ شیخ عراقی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا جامی کا نام بھی لیتے ہیں۔ حضرت عراقی اور جامی دونوں شاعرانہ عظمت کے ساتھ تصوف میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ دونوں بحر معرفت کے شناور ہیں۔ اور دونوں کے اشعار میں تصوف و عرفان اور شیخ اکبر کے فلسفہ وحدت الوجود کی چاشنی بدرجہ اتم موجو ہے۔ علامہ اقبال نے ''ارمغان حجاز'' کے ایک قطعہ میں دونوں کا ذکر نہایت دلسوزی سےکیا ہے۔ فرماتے ہیں ع۔

گہی شعر عراقی را بخوانم
گہی جامی زند آتش بجانم

ندانم گرہ اہنگ عرب را
شریک نغمہ ہای سر بانم (۱۴)

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر چہ اقبال کی مثنویوں کی تعداد اس کی غزلوں کی نسبت بہت زیادہ ہے،

لیکن اس کی آہنگ پرور طبیعت، جو آسمانی نغموں سے لبریز تھی، غزل کی طرف بھی بہت مائل رہی۔ چنانچہ پہلی دو مثنویوں (اسرار خودی اور رموز بیخودی) کے علاوہ اس کی بقیہ تمام مثنویوں میں غزل ملتی ہے۔ "جاوید نامہ" جو اس کی معرکہ آرا مثنوی ہے، گونا گوں غزلوں سے مملو ہے اور یہ سبک شاید پہلی دفعہ فارسی شاعری میں اقبال کے ہاتھوں شروع ہوا ہے (۱۵)

راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق شیخ عراقی اس فن ابتکاری یعنی مثنوی میں غزل سرائی کے بانی ہیں۔ شیخ عراقی تا حال وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے اپنی یگانہ مثنوی عشاقنامہ میں اس جدت کا آغاز فرمایا۔ ہر فصل میں ایک ایک غزل سموئی۔ عراقی کے بعد ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں متعدد مثنویاں اس طرز پر بالخصوص "دہ نامہ" معرض وجود میں آئیں جن میں غزل شامل تھی۔ اس ضمن میں ہمام تبریزی۔ اوحد، مراغی، رکن صاین سمنانی، عبید زاکانی، ابن نصوح فارسی اور ابن عماد خراسانی جیسے شاعروں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ (۱۶) یہ خاصیت دہ ناموں کے علاوہ بعض دوسری فارسی مثنویوں مثلاً صحبت نامہ ہمام تبریزی (۱۷) اور قران السعدین امیر خسرو دہلوی (۱۸) میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ موجودہ صورت حال میں اس فن میں حق تقدیم شیخ عراقی کو حاصل ہے اور علامہ اقبال نے اس دور آخر میں آ کر اس فن انیق کو عروج پر پہنچا دیا ہے۔ بعید نہیں کہ عراقی کی یہ مثنوی۔۔ جو حدیقہ سنائی کے وزن پر ہے اور جس میں درد و سوز عشق درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ اقبال کے مطالعہ میں آئی ہو۔

(۲)

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے شیخ ابن عربی اور حضرت عراقی کے فلسفہ وحدت الوجود کی تاثیر کس حد تک قبول کی۔۔ حکیم الامت علامہ اقبال کے متعلق بعض حلقوں میں اظہار خیال کیا جاتا ہے کہ وہ تصوف کے مخالف تھے۔ اس غلط فہمی کی بنیاد دراصل

اس بات پر مبنی ہے کہ اقبال نے اپنی منظوم و منثور تصانیف میں جا بجا اس تصوف کی مخالفت کی ہے جس کا سر چشمہ اور ماخذ قرآن و حدیث نہیں۔ اقبال درحقیقت غیر اسلامی تصوف اور صوفیائے خام کے خلاف تھے۔ بلکہ وہ اس تصوف کے خلاف سینہ سپر تھے جس کا خمیر عجمی خیالات اور فلسفے کی آمیزش سے تیار کیا گیا تھا۔ اور جس نے خالص اسلامی تصوف کے سر چشموں کو گدلا کر دیا تھا۔ انہوں نے شیخ محی الدین ابن عربی اور خواجہ حافظ شیرازی کی اس لئے مخالفت کی کہ ان کے مخلصانہ عقیدے کے مطابق اول الذکر نے مسئلہ وحدت الوجود کو فلسفے کی شکل دے کی اسلامی تصوف کا ایک لازمی جزو بنا دیا۔ اور ان کے اس نظریے کی دل آویزی نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ برصغیر میں حضرت مجدد الف ثانی سے پہلے تک اکثر اکابر صوفیہ اس نظریے کی رنگینیوں سے متاثر رہے۔ شیخ ابن عربی کے فکر رسا نے اس نظریے کو وہ توانائی اور رعنائی بخشی کہ کسی کو اس کے برعکس مجال سخن نہ تھی۔ شیخ ابن عربی اپنی کتب و تصانیف میں مصر ہیں کہ وحدت الوجود کی بنیاد عین اسلامی تعلیمات پر رکھی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے متعدد دلائل پیش کئے ہیں۔ ان کے ہم عصر اور بعد کے صوفیہ نے ان کے س نظریے کو نہ صرف قبول کیا، بلکہ اپنی تعلیمات کا جزو بنایا۔ پھر عربی، فارسی، اور اردو کے نامور صوفی شعراء نے اس فلسفے کو شعر کیسانچے میں ڈھال کر اس کی خوب تبلغ کی۔ شیخ فخر الدین عراقی نے سب سے پہلے رسالہ ''لمعات'' میں جو نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ اس فکر کو شعر کے قالب میں ڈھالا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عراقی نے فلسفہ ابن عربی کا خلاصہ اس مختصر رسالے میں پیش کر دیا۔ بقول ڈاکٹر سید حسین نصر:

''کتاب المعات۔۔۔ بیش از ہر کتاب دیگر او معرجی ابن عربی بہ فارسی زبانان تاثیر داشتہ است۔ (۱۹)

پھر آخر الذکر خواجہ حافظ شیرازی نے اپنی نوائی اور سحر بیانی سے غزل کے روپ

میں نظریہ وحدت الوجود کو دو آتشہ کر دیا۔لیکن بقول علامہ اقبال یہ نظریہ اس قدر سکر آلود اور خواب آور تھا کہ اس نے مسلمانوں کی زندگی پر نہایت ہی نا خوشگوار اثر ڈالا۔خودی کی نفی نے زوق عمل اور جدو جہد کی رفتار کو مفقود کر دیا،عمل محکم اور سعی پیہم کا تصور محض خواب و خیال ہو کر رہ گیا۔پھر سر مستی و رندی کی تلقین نے جزا و سزا کے تصور کو مضمحل کر دیا۔

بہر حال دونوں خیالات کے بزرگ اپنے پاس دلائل و براہین رکھتے ہیں۔(۲۰)

علامہ اقبال نظریہ وحدت الوجود کا ماخذ افلاطون کے نظریہ تصورات کو بتاتے ہیں جس کو صوفیہ اعیان ثابتہ سے تعبیر کرتے ہیں۔اقبال اسے فلفہ افلاطونی کے نام سے تا دکرتے ہیں اور کوہستان وجود میں اس فلسفے کو زہر قرار دیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اس فلسفے نے قوم کو ایک ایسا نشہ پلایا ہے کہ جس نے قوم کے افراد کو خودی سے نا بلد کر کے زوق عمل سے محروم کر دیا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ صوفیوں نے اپنے آپ کو اس فلسفے میں اس طرح جذب کیا کہ وہو اسلامی نظریہ حیات کے مطابق نظر آنے لگا ہے۔علامہ اقبال نے مثنوی اسرار خودی میں شیر ہو گوسفند کی حکایت لکھ کر تمثیلی طور پر اس بات کی واضح دلیل دی ہے کہ کس طرح گوسفندے۔۔جس سے ان کی مراد افلاطون ہے۔۔شیر۔۔یعنی ملت اسلامیہ۔۔کو نفی خودی کی تعلیم دی ہے۔ہم یہاں مضمون کی طوالت کے خوف سے نظم کا پہلا اور آخری شعر پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔فرماتے ہیں۔

راہب دیرینہ افلا طوں حکیم
از گروہ گوسفندان قدیم

اور آخری شعر: قومہا از سکر او مسموم گشت
خفت و از ذو ق عمل محروم گشت (۲۱)

اس حکایت میں علامہ اقبال نے نہایت خلوص سے ان صوفیہ پر تنقید کی ہے جنہوں نے افلاطون کے اس فلسفے کو روح اسلام سے بے نیاز ہو کر اپنایا۔ پھر اس کو ایسے دلکش انداز میں پیش کیا کہ وہ بادی النظر میں عین اسلامی تعلیمات کے مطابق نظر آنے لگا۔ علامہ اقبال نے شیخ ابن عربی اور حافظ شرازی کی مخالفت محض مسئلہ وحدت الوجود کی بنا پر کی تھی ورنہ وہ شیخ اکبر کی صوفیانہ عظمت کے قائل تھے (۲۲) اور حافظ کی غزل گوئی کے مداح تھے۔ حافظ نے عراقی کی بعض غزلوں کو سراہا (۲۳) اور اقبال نے حافظ کے وزن اور رنگ میں کئی غزلیں کہی ہیں۔ (۲۴) اس طرح بالواسطہ ہی سہی اقبال عراقی کے زیر اثر نظر آتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق۔

اس حکایت میں علامہ اقبال نے نہایت خلوص سے ان صوفیہ پر تنقید کی ہے جنہوں نے افلاطون کے اس فلسفے کو روح اسلام سے بے نیاز ہو کر اپنایا۔ پھر اس کو ایسے دلکش انداز میں پیش کیا کہ وہ بادی النظر میں عین اسلامی تعلیمات کے مطابق نظر آنے لگا۔ علامہ اقبال شیخ ابن عربی اور حافظ شیرازی کی مخالفت مسئلہ وحدت الوجود کی بنا پر کی تھی۔ ورنہ وہ شیخ اکبری کی صوفیانہ عظمت کے قائل تھے (۲۲) اور حافظ کی غزل گوئی کے مداح تھے۔ حافظ نے عراقی کی بعض غزلوں کو سراہا (۲۳) اور اقبال نے حافظ کے وزن اور رنگ میں کئی غزلیں کہی ہیں۔ (۲۴) اس طرح بالواسطہ ہی سہی اقبال، عراقی کے زیر اثر نظر آتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق۔

"شیخ ابن عربی نے منصور حلاج کے نعرۂ اناالحق کو پہلی مرتبہ فلسفہ وحدت الوجود کی شکل بخشی۔ ان کے نظریہ وحدت الوجود کو مقبول بنانے میں مختلف دور کے صوفیہ اور شعراء نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ (۲۵)۔ (ان میں عراقی اور حافظ کیانام خاص طور پر شہرت کے حامل ہیں)

علامہ اقبال، سراج الدین پال کے نام ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے جس نے المعات میں فصوص الحکم ''محی الدین ابن عربی کی تعلیمات کو نظر کیا ہے۔اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے۔یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔جس قوم میں طاقت وتوانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی۔تو پھر اس قوم کا نکتہ نگاہ بدل جایا کرتا ہے۔ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین وجمیل شے ہو جاتی ہے۔اور ترک دنیا موجب تسکین اور اس ترک دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی وکاہلی اور شکست کو چھپایا کرتی ہیں۔(۲۶)

شاعر ملی پاکستان نے ان مضر اثرات کو دیکھ کر ہی جو آپ کی رائے میں نظریہ وحدت الوجود کے باعث معاشرے میں مرتب ہو رہے تھے۔ان بزرگوں کے بعض نظریوں کی مخالفت کی تھی۔آپ صوفیائے خام، نام نہاد پیروں اور رسمی تصوف کو ہمیشہ ہدف تنقید ٹھہراتے تھے۔چنانچہ ایک خط میں حضرت اکبر آلہ آبادی کو تحریر فرماتے ہیں۔

''یہاں لاہور میں ضرورت اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔۔۔۔۔
صوفیہ کی دکانیں ہیں،مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔(۲۷)

لیکن جہاں تک خالص اسلامی تصوف کا تعلق ہے۔اقبال نہ صرف اس کے قائل اور گرویدہ تھے۔بلکہ وہ خود سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔اور ان صوفیائے کرام اور پیران عظام سے والہانہ عقیدت ورادات رکھتے تھے۔جنہوں نے اسلامی تصوف کو اپنے حکیمانہ نظریات سے پروان چڑھایا۔

اقبال شریعت محمدی کے آئینے میں حقیقت الہٰیہ کا جمال دیکھنا چاہتے تھے۔لہٰذا

جس آئینہ کگر کے آئینے میں یہ جمال ہم آہنگ ہو کر نظر آ جاتا ہے وہ اس کے والہ و شیدا ہو جاتے۔ اقبال ان صوفیائے باصفا کے بیحد مداح و معترف ہیں جنھوں نے ملت اسلامیہ کے جسد میں نئی روح پھونکی۔ زوال وانحطاط کے دور میں احیائے دین کیلئے راستے تلاش کئے اور مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کے سدھارنے میں عظیم الشان کارنامے انجام دیے۔ جب کبھی امت مسلمہ پر کوئی نازک وقت آیا۔ انہوں نے بصیرت و حکمت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور اسلامی معاشرے کا قبلہ درست رکھنے کے لئے انتھک کوششیں کیں۔ علامہ اقبال نے اپنے شعری اور نثری مجموعوں میں ان بزرگوں کے نام لے لے کر انکی بارگاہ عالی مرتبت میں خراج تحسین پیش کیا ہے جن سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور جن کی مشائک کی مساعی جمیلہ نے اسلامی روح، اسلامی فکر، اسلامی کردار اور اسلامی سرمایہ زندگی کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ وہ شریعت اور طریقت کو ہم آہنگ کر کے اپنی تبلیغی جدوجہد اور روحانی تصوف سے انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے اور دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ (۲۸)

اس سلسلے میں مفکر اسلام علامہ اقبال و حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے نظریہ وحدت الشہود (ہمہ از اوست) نے زیادہ متاثر کیا۔ اقبال کے خیال میں ملت اسلامیہ میں فلسفہ وحدت الوجود (ہمہ اوست) کے عام ہونے کی وجہ سے قوت عمل سے محرومی، ترک جدوجہد، ناتوانی، کاہلی سستی اور مایوسی جیسے عوامل در آئے۔ اس لیے انہوں نے ان منفی عوامل کو زائل کرنے کی غرض سے اپنی فکری کاوشوں سے خودی کے لازوال فلسفے کو قرآن وحدیث سے اخذ کر کے افکار اسلامیہ کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا۔ چنانچہ اسرار خودی میں فرماتے ہیں۔

پیکر ہستی ز آثار خودی است
ہرچہ می بینی ز اسرار خودی است (۲۹)

علامہ اقبال کے فلسفہ خودی نے تصوف کی دنیا کو ایک نئی راہ دکھائی ۔ اقبال بنی نوع انسان کو خودی سے آراستہ کر کے کائنات کی تسخیر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ۔ ذہن انسانی میں فکر و عمل اور محنت کی عظمت کی نئی شمع روشن کرتے ہیں ۔ فلسفہ خودی میں اپنے آپ کو مولانا روم کا فیض یافتہ قرار دیتے ہیں ۔ مولانا روم اگرچہ مسلک وحدت الوجود کے قائل تھے ، مگر ان کے کلام میں فلسفہ خودی کی بھی جھلکیاں ملتی ہیں ۔ تاہم علامہ نے فلسفہ خودی کو اپنے فکر کا موضوع خاص بنا کر ایک ایسا رنگ و آہنگ بخشا ہے کہ اگر انہیں فلسفہ خودی کا موسس کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ (۳۰)

علامہ اقبال عشق و محبت کی بدولت خودی کو مستحکم کر کے ایک مسلمان کو مرد مومن کے مرتبے تک پہنچاتے ہیں ۔ شیخ ابن عربی اور مولانا روم نے بھی اپنے آثار و اشعار میں ''انسان کامل'' کے تصور کو منظم طور پر پیش کیا ہے ۔ حضرت عراقی اپنی یگانہ مثنوی ایک داستان میں کمال آدمیت در عاشقی است ۔ (۳۱)

کے فکر کو نظم کر کے انساں کامل کے لیے پایہ ثبوت فراہم کیا ہے اور آپ کے دیگر آثار میں بھی اس کی علامات پائی جاتی ہیں اقبال کے نزدیک بھی عشق کا تصور نہایت وسعت رکھتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں یہ ایک ایسی قوت ہے جو خودی کی شیرازہ بندی کرتی ہے ۔ تسخیر کائنات کی جانب نت نئی آرزوئیں پیدا کر کے انسان کی رہنمائی کرتی ہے ۔ اور کٹھن اور پر خطر راہوں میں خضر راہ کا کام سر انجام دیتی ہے ۔ اسی کی وساطت سے ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی کی تمناسیوں میں بیدار ہوتی ہے ۔ اور مرحلہ ہائے شوق کا تسلسل قائم ہوتا ہے ۔ اور اس کی اصل کل یوم ھو فی شان (۳۲) سے متعلق ہے جو زندگی کا راز اور روح کائنات ہے ۔ (۳۳)

(۳)

زمان و مکان کی بحث میں علامہ اقبال کی حضرت عراقی کے اقوال سے استناد بھی محل نظر ہے ۔

تشکیل جدید الہیات اسلامیہ (۳۴) میں علامہ اقبال نے زمان و مکان کے مباحث میں کئی مقامات پر صوجی شاعر عراقی کے حوالے سے مطالب نقل کر کے ان پر تنقید کی ہے۔ جدید محققین میں سے مولانا امتیاز علی خان عرشی (۳۵)، راقم الحروف (۳۶) اور فارسی مخطوطات کے فہرست نگار احمد منزوی (۳۷) اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ مطالب علامہ اقبال نے رسالہ ''رغایۃ المکان فی معرفتہ الزمان'' (۳۸) سے اخذ کیے ہیں اور رسالے اس قلمی نسخے کو جو علامہ کے زیر استفادہ تھا، غلطی سے عراقی کے نام منسوب کیا گیا ہے۔ سید عبدالوحید نے انگریزی کتاب Thoughts and Reflections of Iqbal میں اس ضمن میں ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ بھی محل نظر ہے۔ (۳۹) در حقیقت یہ رسالہ حضرت تاج الدین محمود ابن خداداد اشنہی ھمدانی کی تالیفات میں سے ہے اور اٹک، کیمبل پور (پاکستان) میں چھپ چکا ہے۔ شیخ عراقی کے علاوہ سے شمس الدین محمد بن عبدالملک ویلمی ۔۔۔ استاد اشنہی (۴۰) عین القضاۃ ھمدانی (م ۸۶ ۷ھ) (۴۱) شیخ روز بہان بقلی شیرازی (م ۶۰۶ھ) شیخ محمود شبستری (م ۷۲۰ھ) اور شیخ محمود گاواں (۸۸۶ھ) کے نام بھی منسوب کرتے ہیں (۴۱) دکتر رحیم فرمنش نے ''غایۃ الامکان فی درایۃ المکان یا ''رسالہ الامکنہ والازمنہ'' کے نام سے اسے عین القضاۃ کی تالیف کے طور پر جداگانہ اور احوال و آثار عین القضاہ'' کے ساتھ تہران سے ۱۳۳۹ شمسی میں شائع کیا ہے۔

سید عبدالوحید نے اس موضوع پر انگریزی زبان میں تبصرے استناد و استشہاد کی خاطر رسالے کے کسی نسخے میں سے درج ذیل فارسی اقتباس درج کیا ہے۔ جس میں عراقی کا نام اس طرح ثبت ہے:

''تا این مخدرہ غیبی ۔۔ چون بمشاطگی بیان این بندہ ضعیف باخرزمائیان (؟) جلوہ کند، امیدوارم کہ تشنگان جرعہ حقیقت در ایام آخر الزمان از دست

این ساقی عراقی جمال زلال شیرین مشاهد نمایند۔(۴۳)

لیکن دکتر رحیم فرمنش کے مطبوعہ نسخے میں یہی اقتباس قدرے اختلاف کے ساتھ عراقی کے لفظ کے بغیر یوں تحریر ہے:

خداوند این مخدرہ غیبی۔۔۔ بر دست مشاطہ ہدایت وتوفیق بر طالبان آخرالزمان جلوہ کن وو تشنگان آخرالزمان را کہ دربیدای حیرت سرگردانند بردست ساقی لطف شربتی شافی فرست۔۔۔۔۔(۴۴)

معلوم ہوتا ہے کہ کسی کاتب نسخہ کی تحریف سے ایسے ہوا ہے ورنہ اشنہی کے مولف نسخہ ہونے میں اب شک باقی نہیں ہے۔ البتہ رسال غایۃ الامکان فی درایۃ المکان میں ذیل کے دو شعر یکجا ضبط ہیں۔

اندرین بحر بیکران چون غوک
دست و پائی بزن، چہ دانی بوک

اندرین رہ اگرچہ آن نکنی
دست و پائی بزن، زین نکنی

جو بقول مولانا امتیاز علی خاں عرشی حکیم سنائی کی مشہور مثنوی حدیقۃ الحقیقہ سے ماخوذ ہیں(۴۷) اور راقم الحروف نے یہ دونوں شعر ''لمعات عراقی'' کے اٹھائیسویں لمعہ میں ملاحظہ کیے ہیں(۴۸)

یہ ہے عراقی اور اقبال کے فکری روابط کا مختصر بیان جو راقم الحروف اپنی رائے کے مطابق تا حال سمجھ سکا ہے۔

حواشی

۱۔ شیخ عراقی کے ترجمہ احوال وآثار و افکار اور اشعار کے بارے میں تفصیلی

معلومات حاصل کرنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

عشاقنامہ شیخ فخرالدین عراقی مع سوانح عمری وی، تج آربری، بمبئی ۱۳۵۷ھ

مقدمہ دیوان عراقی و دیباچہ سعید نفیسی، چاپ در کلیات شیخ فخرالدین ابراہیم ھمدانی متخلص بہ عراقی چاپ چہارم، از انتشارات کتابخانہ سنائی تہران ۱۳۳۸ش

تذکرہ و میخانہ، تالیف ملا عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی، باہتمام احمد گلچین معانی، تہران ۱۳۴۰ش، ص ۲۷۔۵۶

مقام شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی در تصوف اسلامی، مقالہ ڈاکٹریٹ محمد اختر چیمہ، دانشگاہ تہران سال ۵۳۔۱۳۵۶ش (غیر مطبوعہ)

مختصری در شرح حال و آثار و عقاید شیخ فخرالدین عراقی۔ محمد اختر چیمہ، مطبوعہ در مجلّہ دانشکدہ ادبیات و علوم انسانی، دانشگاہ فردوسی، مشھد، سال ۱۲، شمارہ ۲، ۱۳۵۵، ش، ص ۳۴۴۔۳۶۲۔

۲۔ اقبال در راہ مولوی، نگارش دکتر سید محمد اکرم، ناشر انجمن دوستی ایران و پاکستان، لاہور، ۱۹۷۰، ص ۹

۳۔ رومی عصر ـ ـ ـ ـ علامہ محمد اقبال، تالیف خواجہ عبدالمجید عرفانی، ناشر کانون معرفت تہران مقدمہ بقلم استاد سعید نفیسی۔ ص الف او رملاحظہ کیجئے اقبال در راہ مولوی ص ۹۷۔۹۸

۴۔ باتصحیحات تحسین یازیجی انقرہ ۱۹۵۹۔۱۹۶۱ء، ۱، ۳۶۰، ۳۹۹۔۴۰۰، ۲، ۵۹۴۔۵۹۶

۵۔ مناقب العارفین افلاکی، ۱، ۴۰۰ نیز ملاحظہ کیجئے، شرح مثنوی شریف تالیف بدیع الزمان فروزانفر، انتشارات دانشگاہ تہران ۱۳۴۶ش، ۱، ۱۲ اقبال در راہ مولوی، ص ۲۲۱

۶۔ کلیات شمس باتصحیحات و حواشی بدیع الزمان فروزانفر، انتشارات دانشگاہ

تہران ۱۳۳۶ش، ۲۵۵۱۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولوی کی اسی غزل میں سے تین اشعار کو علامہ اقبال نے مثنوی، اسرار خودی کے سرورق پر درج کر کے اپنی ارادت کا ثبوت دیا ہے۔

۷۔ کلیات عراقی، غزلیات، ص ۱۵۷

۸۔ کلیات اقبال لاہوری، بوسیلہ احمد سروش، از انتشارات کتابخانہ سنائی تہران، پیام مشرق، ص ۲۴۸

۹۔ اقبال کے محبوب صوفیہ۔ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع دوم ۱۹۸۲ص ۲۱۵

۱۰۔ کلیات عراقی، غزلیات، ص ۱۹۳

۱۱۔ ایران نامہ (منتخبات از مجلہ اقبال) مرتبہ گوہر نوشاہی، بزم اقبال لاہور ۱۹۷۱ء مقالہ: اقبال اور غزل از سید محمد اکرم، ص ۲۶۱ اور ملاحظہ کیجئے، اقبال در راہ مولوی ص ۱۱۴ کلیات اقبال تہران، گلشن راز جدید، ص ۶۔ ۱۱ اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ڈاکٹر عبدالشکور احسن، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء ص ۴۵۰

۱۲۔ ایران نامہ ص، ۲۶۲ اقبال در راہ مولوی، ص ۱۱۵ کلیات اقبال، تہران ارمغان حجاز ص ۴۳۹

۱۳۔ کلیات اقبال، پیام مشرق، ص ۱۹۷

۱۴۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، ص ۲۰۷ کلیات اقبال، تہران، ارمغان حجاز ص ۴۴۰

۱۵۔ ایران نامہ ص ۲۴۷ اور ملاحظہ کیجئے اقبال در راہ مولوی ص ۹۸۔۹۹

۱۶۔ مقام شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی در تصوف اسلامی۔ ص ۳۶۵۔۳۸۱ (پیروان عشاقنامہ عراقی) اور ملاحظہ کیجئے۔ اینڈو ایرانیکا، ایران سوسائٹی کلکتہ۔ جلد

۱۶ شمارہ، دہ نامہ ہا رفارسی بقلم پروفیسر سید حسن۔

۱۷۔ دیوان ہمام تبریزی، بہ تصحیح وکتر رشید عیوضی، تبریز ۱۳۵۱ش، صحبت نامہ از ص ۲۵۷۔۲۸۱

۱۸۔ مجلّہ روزگار نو، لندن، جلد ا، شمارہ ۳ زمستان ۱۹۴۱ء ص ۲۸

۱۹۔ سہ حکیم مسلمان ترجمہ فارسی از احمد آرام تبریز ص ۱۵۹۔۱۶۰

۲۰۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، پیش لفظ ص و۔ز

۲۱۔ کلیات اقبال، اسرار خودی ص ۲۳۔۲۵۔

۲۲۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، پیش لفظ ز۔ط، ص ۵۲۲۔۵۲۳۔

۲۳۔ ملاحظہ کیجئے، دیوان حافظ، با نضمام کشف الغزل و با ہتمام حسین پژمان، تہران ۱۳۱۸ حش، مقدمہ ص ۱۱۰۔۱۱۲۔

۲۴۔ ملاحظہ کیجئے۔ ایران نامہ، مضمون اقبال اور غزل بقلم سید اکرم شاہ، ص ۲۵۲۔۲۵۵

۲۵۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، ص ۵۱۹

۲۶۔ اقبال نامہ۔۔۔۔۔ مجموعہ مکاتیب اقبال، مرتبہ شیخ عطاء اللہ، لاہور، حصہ اول ص ۴۴۔۴۵ اور ملاحظہ کیجئے اقبال اور تصوف از پروفیسر محمد زمان، بزم اقبال، لاہور، طبع سوم مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۱۱۲

۲۷۔ اقبال نامہ، حصہ دوم ص ۴۸۔

۲۸۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، پیش لفظ ص ع ی۔ک

۲۹۔ کلیات اقبال، اسرار خودی ج۔ ص ۱۱

۳۰۔ اقبال کے محبوب صوفیہ، ص ۵۳۔۵۲۷

۳۱۔ شعر بی دروغ شعر بی نقاب، دکتر عبدالحسین زرین کوب۔ تہران ۱۳۴۶ ش، ص ۱۲۶ اور ملاحظہ کیجئے: کلیات عراقی، عشاقنامہ، ص ۳۴۷۔۳۴۹، عشاقنامہ

عراقی، بتصحیح آربری، بمبئی ۱۳۵۷ھ ق، ص ۶۲ کہ فصل پنجم بعنوان در کمال انسان در عشق خاص طور پر قابل غور ہے۔

۳۲۔ قرآن حکیم، الرحمان (۵۵) آیہ ۲۹

۳۳۔ اقبال اور تصوف، ص ۴۷

۳۴۔ علامہ اقبال کی یہ تالیف، احیای فکر دینی در اسلام کے نام سے احمد آرام کے فارسی ترجمے کی صورت میں تہران سے ۱۳۴۶ش میں شائع ہو چکی ہے۔

۳۵۔ ملاحظہ کیجئے: مقالات جشن اقبال صدی، مرتبہ پروفیسر محمد منور، شعبہ اقبالیات جامعہ پنجاب لاہور ۱۹۸۲ء

مقالہ: زمان و مکان کی بحث سے متعلق علامہ اقبال کا ایک ماخذ ۔۔۔عراقی یا اشنوی؟ ص ۶۱۔۷۲

۳۶۔ مقام شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی در تصوف اسلامی، ص ۱۲۷۔۱۳۲۔

۳۷۔ فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، مطبوعہ موسسہ فرہنگی منطقہ ئی تہران ۱۳۴۹ش جلد دوم، ۸۲۴۱۔۸۲۵

۳۸۔ علاوہ ازیں رسالے کے مختلف نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ غایۃ الامکان فی درایۃ لاماکن (مقدمہ مصنف ص ۴۔ ایضاح المکنون، ۲۔۱۳۷)

۲۔ غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان (کشف الظنون، ۲، ۱۱۹۰)

۳۔ غایۃ المکان فی درایۃ الزما (ایران نامہ، ص ۱۸۷ تاثیر معنوی ایران در پاکستان ص ۹۶)

۴۔ رسالۃ الامکنہ والازمنہ (غایۃ الامکان فی درایۃ لامکان، مطبوعہ تہران، دیباچہ ص ز)

۵۔ رسالہ زمان و مکان (مجلہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جلد ۳ شمارہ ۲، ص

۱۰۲)مزید برآں ملاحظہ کیجئے: غایۃ الامکان فی معرفتہ الزمان والمکان، شیخ تاج الدین محمود بن خدا داداشنوی، صحیح ومقدمہ نزر صابری، مجلس تو اوارت علمیہ اٹک، کیمبل پور ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مقدمہ صفحہ اکہ اس رسالے کے متعدد نام وہاں درج ہیں۔

۳۹۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء، ص ۱۵۱۔۱۵۹

۴۰۔ فہرست نسخہ ھای خطی فارسی منزوی، جلد ۲، ۸۴۴

۴۱۔ ایران نامہ، درزیل شاہ ہمدان، ص ۱۸۷

۴۲۔ غایۃ الامکان فی معرفتہ الزمان والمکان، نذر صابری صفحہ الف۔ل

۴۳۔Thoughts and Reflection of Iqbal C 251

۴۴۔ رسالہ غایت الامکان فی درایۃ المکان، دکتر رحیم بخش فرمنش، ص ۲۲

۴۵۔ رسالہ غایت الامکان فی درایۃ المکان دکتر رحیم بخش فرمنش ص ۱۲

۴۶۔ مقالات جشن اقبال صدی، ص ۷۰۔

۴۷۔ کلیات عراقی، لمعات، ص ۴۰۹

....